DOI: https://doi.org/10.52015/albasirah.v11i01.30

Al-Basirah البصیرۃ
Volume 11, Issue 01, (June 2022)
https://albasirah.numl.edu.pk/ eISSN: 2222-4548, pISSN: 2520-7334

مسلم مفکرین کے تصور جمالیات کا جائزہ

View Point of Muslim Thinkers' Regarding Aesthetics

Mohib ur Rehman Sajid[1]
[1] PhD Scholar, Allama Iqbal Open University, Islamabad. Email: mhbrehman@gmail.com

Received: April 25, 2022 | Revised: June 22, 2022 | Accepted: June 25, 2022 | Available Online: June 30, 2022

ABSTRACT

What is aesthetics? Is it subjective or objective? Is it internal or external? Is it natural or acquired? Is it inward or outward? Is it spiritual or physical? Different experts have given different answers to these questions. Both the Classic Muslim Thinkers and the Modern Western philosophers have debated them in their own way and have set their own standards for measuring them. These thoughts and ideas are scattered in the books. This study gives a brief overview of the views, especially given by the Muslim thinkers so that their views may also be analyzed, especially vis-à-vis the aesthetics as discussed in the holy text of Qur'an.

Keywords: Aesthetics, Subjectivism, Objectivism, Views of Muslim Thinkers, Aesthetics in Qur'an.

Funding: This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Correspondence Author: mhbrehman@gmail.com

تعارف

اللہ سبحانہ وتعالی نے اس کائنات کو انسان کے لئے نہ صرف خوبصورت بنا کر پیدا کیا بلکہ حسن وجمال کو محسوس کرنے والی فطرت بھی انسانوں کو نوازا ہے۔انسان کے لیے زمین کو فرش کی طرح بچھایا اور آسمان کو عرش کی طرح ستاروں اور سیاروں سے مزین کیا۔ پھر اسے بار بار اپنی تخلیق کی کمالیت اور حسن وجمال کی طرف متوجہ ہونے کی یاد دہانی کرائی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم حسن وجمال کو دیکھ کر اس سے اللہ کی طرف سے عطا کردہ حس کے مطابق لطف اٹھاتے ہیں لیکن یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ لطف ملتا کیسے ہے؟اس مسئلے کی فہم کے لئے علمِ جمال کو کسی نے فلسفے کی شاخ قرار دیا اور کسی نے نفسیات کا۔اس کے حوالے سے مفکرین نے اپنی متنوع آراء پیش کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمالیات ان دونوں پر مشتمل بھی ہے اور الگ سے ایک علم بھی ہے۔

اس موضوع کے حوالے سے ادبِ اسلامی میں کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا۔ چند گنے چنے مقالے لکھے گئے ہیں۔ یہ مقالات مطلق جمالیات پر بحث کرتے ہوئے مغربی مفکرین کی آراء کو محور بنا کر تحریر کئے گئے ہیں یا پھر معاصر ادیبوں کی آراء کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ جبکہ مسلم فلاسفہ اور مفکرین کی کو مرکزی حیثیت کم ہی دی گئی ہے۔اس لیے اس مقالہ میں مغربی مفکرین کے افکار سے عمداً صرفِ نظر کرکے فقط مسلم فلسفی اور مفکرین کے افکار کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

This work *is licensed under a* Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

جمال کا مفہوم

جمال حسن کثیر کو کہتے ہیں، اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جمال جو کسی انسان کو نفس، بدن یا فعل کی بنیاد پر خاص کرتا ہے۔ دوسرا وہ جمال جو اس سے کسی اور کو پہنچتا ہے، اور اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی وہ روایت ہے کہ: بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ کی ذات سے بہت سی بھلائیاں پھیلتی ہیں پس جس شخص کو ان خوبیوں سے نوازا جاتا ہے وہ محبوب خلائق بنتا ہے۔[1]

جمالیات انگریزی لفظ Aesthetic اور یونانی لفظ Aisthetikos کا مترادف ہے۔ اس سے مراد ایسی شے ہے جس کا تعلق حسی ادراک سے ہو۔[2] علم جمال یا جمالیات اصطلاح میں فلسفہ کی اس شاخ کی نظریاتی اور نفسیاتی رد عمل کے مطالعے کو کہا جاتا ہو جس میں فنون اور اس کے تخلیقی ذرائع، شکل و صورت اور اس کے اثرات پر بحث کی جائے۔[3]

ممتاز افسانہ نگار پروفیسر صدیق احمد مجنوں گورکھپوری (وفات: 1988ء) کے مطابق جمالیات سے مراد ارباب فلسفہ کے وہ نظریے ہیں جو حسن اور اس کے کوائف و مظاہر (جن میں فنون لطیفہ بھی شامل ہیں) کی تحقیق و تشریح میں پیش کیے گئے ہیں۔[4]

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تجربات کی طرح حسن کا تجربہ بھی دو سمتی ہے۔ نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ حسن کا وجود خارجی ہے اور نہ یہ دعویٰ درست ہے کہ حسن یکسر داخلی کیفیت ہے۔ حسن کا وجود بھی مطلق نہیں اضافی ہے۔ ایک ذی حس ہستی اور ایک محسوس وجود، ایک خارجی مؤثر اور ایک اثر پذیر ذات کے درمیان ایک ناگزیر اضافت یا تعلق کا نام حسن ہے۔ سردی اور گرمی کی طرح حسن کا احساس بھی دو اجزائے ضربی سے پیدا ہوتا ہے۔[5]

حس جمال

حسن اور جمال کو محسوس کرنے کی حس اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے۔ پھر یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس کو کس طرح بروئے کار لاتا ہے۔ اس حس پر مختلف چیزیں بھی اثرانداز ہوتی ہیں جیسے توارث، ماحول، تعلیم، آب و ہوا وغیرہ۔ پھر عام اور خاص جس طرح باقی معاملات میں عام اور خاص ہی ہوتے ہیں اسی طرح اس میں بھی ہر عام و خاص یکساں نہیں ہو سکتا بلکہ فطرت یہی کہتی ہے کہ اس میں بھی کوئی کم متاثر ہو گا کوئی زیادہ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک وقوعہ کسی کے لیے واقعہ ہوتا ہے، کسی کے لیے حادثہ، کسی کے لیے سانحہ، کسی کے لیے صدمہ،

1۔ الاصفہانی، الراغب، حسین بن محمد بن مفضل، مفردات الفاظ القرآن، دار القلم، دمشق، الطبعۃ الرابعۃ 1430ھ/2009ء، ص202۔

2 ۔ Webster's Dictionary of English Usage, Merriam Webster Inc, Publishers, Springfield, Massachsetts , p.72

3۔ Webster's New World College Dictionary, 3rd edition, Macmillan USA, 11997 , P: 21-22۔

4۔ مجنوں، احمد صدیق، تاریخ جمالیات یعنی فلسفہ حسن پر مختصر تاریخی تبصرہ، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، 1959ء، ص/12

5۔ مجنوں، صدیق احمد، تاریخ جمالیات یعنی فلسفہ حسن پر مختصر تاریخی تبصرہ، ص/94

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

اور کسی کے لیے جھٹکا۔ حالانکہ بظاہر وہ ایک وقوعہ ہی ہوتا ہے۔ کوئی ایک نظر اٹھا کر دیکھ لیتا ہے، کوئی قریب جا کر معلوم کرتا ہے، کوئی مدد کرتا اور مدد کے لیے بلاتا ہے، کوئی چیخ اٹھتا ہے اور کوئی ہوش و حواس کھو کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ حسن اور جمال کی حِس بھی تقریباً ایسی ہے۔ اس وجہ سے کوئی اس کو زندگی کا خلاصہ اور نچوڑ سمجھتا ہے، کوئی اسے زندگی کا ایک اہم پہلو سمجھتا ہے، اور کوئی اسے بیکاری کا ایک مشغلہ سمجھتا ہے۔

مسلم مفکرین نے اس طرح تو جمالیات کو موضوع بحث بنا کر نہیں لکھا جس طرح کچھ مغربی مفکرین نے لکھا ہے لیکن ان کے دیگر افکار میں جمالیات کا موضوع بھی بکھرا پڑا ہے۔ البتہ فنون لطیفہ کے حوالے سے ابنِ سینا اور ابن باجہ نے لکھا ہے۔ مسلم فلاسفہ نے حسنِ مطلق کے حوالے سے بحث و گفتگو کی ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو ہر میدان کے شہسوار تھے اور ہر میدان میں اپنے علم و فن کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔ ان میں امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ شامل ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم فلاسفہ نے فلسفہ، یونان سے لیا، ان کی کتب کا ترجمہ عربی میں کیا، اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ اس عقلیت پرستی میں سے پھر متکلمین نے جنم لیا، جن کا مقصد فلسفہ یونان کی تردید اور اسلام کی برتری تھی۔ لیکن ان میں بھی مختلف گروہ بن گئے جن کی آپس میں مناظرہ بازی ہونے لگی اور پھر کچھ دوسرے لوگوں نے اس مغزماری سے بچنے کے لیے ایک نیا طریقہ نکالا جسے تصوف کا نام دیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس چیز کا نام تزکیہ اور احسان چلا آرہا تھا اور اس کے اس طرح کے اصول و قواعد نہیں تھے، نہ وہ مجالس اور اعمال تھے جو بعد میں وجود میں آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ، کلام اور تصوف آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے ایک دوسرے سے بہت کچھ اخذ کیا ہوا ہے۔ ان کے عقائد و اعمال کو ایک طرف رکھ کر ہم اپنے موضوع کے مطابق ان کے تصورِ جمالیات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

مسلم فلاسفہ اور جمالیات

تاریخ اسلام میں بہت سے مسلم فلسفی گزرے ہیں جنہوں نے دنیا کو نہ صرف سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے قدیم فلاسفہ سے روشناس کرایا بلکہ ان کے افکار کی تنقیح و تنقید بھی کی اور ان میں ترمیم و اضافے بھی کیے۔ باقی چیزوں کو چھوڑ کر ذیل میں حسن و جمال یا جمالیات کے حوالے سے ان کے افکار کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

کندی (801ء تا 873ء) ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی کے نزدیک نہ ہی علم مقصود بالذات ہے اور نہ ہی اعمال بجائے خود منزل ہیں۔ دونوں کا مطمعِ نظر اس مسرت کا حصول ہے جو معرفتِ خداوندی سے میسر آتی ہے۔ علم اور عمل دونوں وہ ذرائع ہیں جو ہمیں حقیقی نصب العین سے ہمکنار ہونے میں مدد دیتے ہیں[1]۔ یعنی جو علم اور عمل اس مسرت کے حصول کا ذریعہ نہ بنیں وہ بیکار ہے۔

فارابی (870ء تا 950ء): فارابی کے نزدیک کوئی بھی چیز اس وقت خوبصورت ہوتی ہے جب وہ کامل ہوتی

1۔ شیدائی، عبدالخالق، ڈاکٹر، مسلم فلسفہ، عزیز بک ڈپو، چوک اردو بازار، لاہور، 1997ء، ص/143-157

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ہے۔اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کو جمالِ مطلق سمجھتے ہیں۔ فارابی کے مطابق اللہ کی زینت، حسن اور جمال اس کی ذات اور جوہر کا حصہ ہے جب کہ ہمارا جمال، ہماری زینت اور خوبصورتی ذاتی نہیں بلکہ عارضی اور خارجی ہے، ہمارے جوہر کا حصہ نہیں ہے اور یہ اسی ذات وحدہ لاشریک کا عطیہ ہے۔اللہ کے جمال کا ادراک ہم نہیں کر سکتے ہم اس کے حسن کو اشیاء پر قیاس کرتے ہیں اور اس کے حسن کو اپنے خیال اور عقل سے محسوس کرتے ہیں۔[1]

فارابی کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی صحیح مسرت اور سعادت کے حصول کی خاطر چار نوع کے محاسن کا موجود ہونا ضروری ہے اور وہ ہیں۔ فضائل نظریہ، فضائل فکریہ، فضائل خلقیہ اور صناعاتِ عملیہ۔ان محاسن کو اپنا کر ایک قوم اس دنیا میں بھی کامرانی اور مسرت سے ہمکنار ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی[2]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک فکر و نظر بھلائی کی خوگر نہ ہو تو اخلاقی خوبی حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک یہ حاصل نہ ہو تو حسن و جمال پر مشتمل صنعتوں اور محاسن کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔

ابنِ سینا: (980ء-1038ء) ابن سینا کے ہاں بھی جمال مطلق اللہ کی ذات ہے اور دنیا کی تمام اشیاء کا جمال اسی کا عکس ہے۔ان کے نزدیک جمال مطلق سے مراد وہ جمال ہے جو ایسے کمال کو پہنچا ہوا ہو جس میں کوئی خامی نہ ہو۔اور ایسا جمال صرف اللہ کا ہو سکتا ہے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے وہ اس چیز کو جمیل قرار دیتا ہے جس میں کوئی خامی اور نقص نہ ہو[3]۔

لیکن ظاہر ہے کہ مخلوق تو خالق کے ہم پلہ ہو نہیں سکتی، پھر انفس و آفاق کے حسن کی کیا توجیہہ کی جائے گی۔اس لیے اس کا دائرہ خالق سے اس کی مخلوق تک پھیلانا چاہیے تاکہ انسان کے اس حِس کی تشفی کی جا سکے۔

ابوحیان: (م400ھ) ابوحیان توحیدیؒ صرف جسمانی خوبصورتی کا قائل نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ نفسِ انسانی اس کو قبول بھی کرلے[4]۔ وہ کہتے ہیں جمال الٰہی ہر قسم کے جمال کا مصدر ہے اور یہ وہ جمالِ مطلق ہے جس میں کائنات اور تمام اشیاء کا جمال منعکس ہوتا ہے[5]۔

ان کے مطابق جمال کی دو قسمیں ہیں: ایک مطلق جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور اللہ ہی سے صادر ہوتا ہے۔ دوسرا مادی نسبی، جو ایسی صفات سے متصف ہو جو خوبصورت اشیاء میں موجود ہوں اور وہ حقیقتاً زمین پر کوئی وجود بھی رکھتے ہوں، جو عقل و حواس سے محسوس کی جا سکیں۔[6] یعنی صرف فلسفہ اور مابعد الطبیعات نہ ہو۔ بالفاظ دیگر وہ جمال کو ظاہری بھی سمجھتے ہیں اور باطنی بھی، جسمانی بھی اور روحانی بھی، معروضی بھی اور موضوعی بھی۔

1۔غادۃ مقدم عدرۃ، فلسفة النظريات الجميلة، جروس برس، بیروت، طبع اول 1996ء، ص/69

2 ۔الفارابی، ابونصر، محمد ابن محمد ابن طرخان، تحصيل السعادة، دار ومکتبۃ الھلال، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی 1995ء، ص25

3۔ حجازی، عوض اللہ، الدکتور، الاستاذ، الاصول الجمالية والفلسفية فی الفن الاسلامی، مکتبۃ المھتدین الاسلامیۃ 1996ء، ص/341

4۔ایضاً، ص/337

5۔ایضاً، ص/365

6۔ حسن الصدیق، فلسفة الجمال و مسائل الفن عند التوحيدی، دارالقلم، دارالرفاعی، حلب، شام، 2003ء، ص/96

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ابنِ مسکویہ:(وفات1030ء) ابنِ مسکویہ کے نزدیک جو شخص سعادتِ قصویٰ پر فائز ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مسرور رہتا ہے، اس کی امیدوں میں وسعت، خیالات میں بلندی اور دل میں اطمینان و سکون پایا جاتا ہے۔ وہ دنیوی امور سے بہت کم مضطرب و مغموم ہوتا ہے۔ ظاہری حیثیت سے وہ لوگوں سے میل جول رکھتا ہے لیکن باطنی حیثیت سے وہ ان سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ محض اپنی فطرت سے نہ کہ کسی اور امر کی بنا پر مسرور و مطمئن ہوتا ہے، اور اس کی یہ حالت ہمیشہ قائم رہتی ہے، اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا[1]۔

ابنِ باجہ:(وفات:1138ء) ابنِ باجہ کے نزدیک اصل جمال دنیاوی و اخروی کمال حاصل کرنا ہے اور یہ کام دنیا کو چھوڑ کر نہیں، بلکہ دنیا میں رہ کر اور دنیا کو برت کر روحانی مسرت کے حصول پر مبنی ہے۔[2]

یہی اس دعا کو خلاصہ ہے جو ہم نماز میں مانگتے ہیں یعنی دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات اور بھلائیوں سے دامن بھرنے کی دعا کرنا۔

ابنِ طفیل:(وفات1185ء) ابنِ طفیل کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی سعادت خدا کی معرفت ہے۔ روحِ انسانی ذاتِ خداوندی کی طرح غیر مادی اور اسی سے ماخوذ ہے اس لیے اس میں کشش اور شوق کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔ عالم کے تمام تغیرات اور اشیاء کے تمام خواص اور افعال ذاتِ خداوندی ہی کی طرف سے ہیں جو حقیقی فاعل مختار ہے۔ کسی شے میں جو بھی خوبی یا حسن موجود ہے اسی سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ناقص اور مستعار خوبیوں کو چھوڑ کر اصل سرچشمہ کمال و خوبی کو اپنی تمناؤں کا مرکز بنائے۔ مشاہدہ حق میں بے پایاں سرور حاصل ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہے[3]۔

لیکن ظاہر ہے کہ مشاہدہ حق اس دنیا میں ممکن نہیں ہے اس لیے ان افعال و اعمالِ حسنہ کے ذریعے مسلسل اس کا قرب حاصل کرنا چاہیے جو اس نے انسانوں کو بتائے ہیں تاکہ جب روح اس فانی دور سے گزر کر بقا کے مرحلہ میں داخل ہو جائے تو مشاہدہ حق میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرے۔

ابنِ رشد:(وفات:1198ء) ابنِ رشد کے نزدیک انسان کی زندگی کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کے نفس کی اعلیٰ قوتیں اس کے حواس پر غالب رہیں۔ جو اس مرتبے پر فائز ہو جائے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس کا عقیدہ کچھ ہی ہو۔ یہ مرتبہ انسانی سعادت کی انتہائی منزل ہے، اس کا راستہ دشوار گزار ہے اور اس کی انتہا تک پہنچنا مشکل ہے۔ یہ صرف ان چند خاص افراد کا حصہ ہے جو زمانہ پیری میں ایک عرصے تک علوم عقلیہ میں غور و خوض کرنے کے بعد فنا پذیر دنیاوی مال و متاع سے کنارہ کشی کر کے محدود ضروریاتِ زندگی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اکثر حکماء موت کے

1۔ابو علی خان احمد بن محمد بن یعقوب الملقب مسکویہ، ترتیب السعادات، کتابخانہ مجلس شورای ملی، 1302ھ، ص12-13

2۔شیدائی، عبدالخالق، ڈاکٹر، مسلم فلسفہ، ص/231-233

3۔ایضاً، ص/252-253

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

قریب اس مرتبے پر فائز ہوئے ہیں اور اس کا ذائقہ چکھا ہے، کیونکہ اس کمالِ نفسی میں کمالِ بدنی کے برعکس ترقی ہوتی ہے، جوں جوں بدن میں ضعف پیدا ہوتا جاتا ہے اس مرتبے سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔[1]

علامہ ابنِ رشد کی یہ بات بہر حال محل نظر ہے۔ انسان کی زندگی میں بچپن، نوجوانی، جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپے کے ادوار آتے ہیں اور ان تمام لمحات کی اپنی اپنی خوبیاں اور لذتیں ہیں۔ بچپن کی یادیں بھلائیں بھی تو نہیں بھولتیں، اسی طرح باقی مراحل بھی ہیں، اس لیے مسرت کو صرف بڑھاپے کے ساتھ اور وہ بھی چند گنے چنے افراد کے لیے محدود کرنا کچھ زیادہ درست نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس فانی دنیا سے گزر کر جب جنت ملے گی تو اس میں بھی جوانی لوٹ آئے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ جوانی کا مرحلہ حسن و جمال کو محسوس کرنے کا ایک حسین دور ہوتا ہے خواہ یہ ظاہری جمال ہو یا پھر باطنی۔

اخوان الصفا اور جمالیات: اخوان الصفا فلاسفہ کا ایک گروہ تھا جنہوں نے بہت سے نئے نظریات دنیا کو دیئے ہیں۔ جمالیات کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ خواص اور عوام میں یہ فرق ہے کہ عامۃ الناس جب کسی خوبصورت صنعت یا خوب رو شخص کو دیکھتے ہیں تو ان میں اس کی طرف دیکھنے، اس کا تقرب حاصل کرنے اور اس پر غور و فکر کرنے کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے لیکن خواص کی نظر تو صانع حکیم، مبداء علیم اور مصوّر رحیم کی طرف لگی ہوئی ہوتی ہے۔[2]

اخوان الصفا کا فلسفہ خیر اور جمالیات: ان کے ہاں خیر یہ ہے کہ انسان وہ عمل کرے جو اسے کرنا چاہیے۔ اس وقت کرے جس وقت اس کا کرنا نہایت مناسب ہو۔ اس مقام پر کرے جہاں اس کا کیا جانا موزوں ہو۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے کرے جو اس کے شایانِ شان ہو۔ انسان کامل وہ ہے جو خیر کا بدرجہ اتم حصول کرے۔ اخلاقی اصولوں میں لچک کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ نیکی بجائے خود اس قابل ہے کہ اسے صرف اسی کی خاطر چاہا اور حاصل کیا جائے۔ اس کا حصول کسی مفاد یا صلے سے مشروط نہیں ہونے دینا چاہیے۔۔۔ انسان کے اندر نیکی اور بدی کے فطری میلانات موجود ہوتے ہیں۔ تعلیم و تہذیب سے اخلاق میں شائستگی پیدا کی جاسکتی ہے[3]۔

یعنی جمال جس طرح ایک فطری اور حسی چیز ہے اسی طرح یہ کسبی چیز بھی ہے اور تعلیم و تربیت کے ذریعے اسے کسی کے اندر پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ میڈیا کے اس دور میں ہم خود اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

ابنِ عربی (وفات: 1240ء): ابن عربیؒ کے نزدیک چونکہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے لہٰذا اس نے جو چیزیں بھی پیدا کی ہیں وہ ساری جمیل ہیں اور ان اشیاء سے محبت دراصل اس جمال کے خالق سے محبت ہے۔ دنیا اور دنیا کی ان خوبصورت اشیاء سے محبت دراصل حبّ الٰہی کے مترادف ہے۔ ان کے ہاں اللہ کی ہیبت، جلال، حسن، لطف اور اُنس اس کے آثارِ جمال میں سے ہیں۔ جس طرح ایک شرارتی بچے کو والدین اس کی شرارتوں کی وجہ سے سزا دیتے

1۔ محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص/173-174

2۔ محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص/261

3۔ شیدائی، عبدالخالق، ڈاکٹر، مسلم فلسفہ، ص/137-138

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ہیں تاکہ وہ غلطیوں سے باز آجائے حالانکہ ان کے دل میں اپنے بچے کی محبت رچی بسی ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور ان کو مصائب و مشکلات میں ڈالتا ہے تاکہ وہ درست رویہ اختیار کریں، ورنہ وہ اپنے تمام بندوں سے انتہائی محبت رکھتا ہے[1]۔

امام غزالیؒ: (وفات: 1111ء) امام غزالیؒ نے حسن و جمال کی حقیقت پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک، حسن و جمال دو اقسام پر مشتمل ہے؛ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ باطنی صورت کا جمال ظاہری صورت کے جمال سے ایسے شخص کے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا جو کچھ عقل رکھتا ہے۔[2]

امام غزالی کے نزدیک حسن و جمال ہے کیا؟ اس سوال کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ جو لوگ ظاہر پر نظر رکھتے ہیں اور محسوسات و مدرکات کے اسیر ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حسن یہ ہے کہ آدمی کے اعضاء متناسب ہوں، شکل عمدہ ہو، رنگ سرخ و سفید ہو، قد و قامت رکھتا ہو۔۔۔ حالانکہ یہ ایک غلط خیال ہے، حسن آنکھ سے نظر آنے والی چیزوں میں منحصر نہیں ہے اور نہ خلقت کے تناسب پر منحصر ہے، اور نہ سفیدی میں سرخی کی آمیزش پر۔؟[3]

امام غزالی کے نزدیک اصل جمال، کمال میں ہے: آپ کی رائے میں دراصل ہر شے کا حسن و جمال اس امر میں ہوتا ہے کہ جس قدر کمال اس کے لائق ہو یا اس کے لیے ممکن ہو وہ اس میں جمع ہو جائے۔ اگر کسی چیز میں اس کے تمام ممکن کمالات جمع ہو جائیں تو وہ انتہائی حسین اور جمیل کہلانے کی مستحق ہے اور اگر بعض کمالات ہوں، بعض مفقود ہوں تو وہ اسی قدر حسین ہوگی جس قدر اس میں کمالات ہوں گے۔[4]

آپ حسن و جمال کو محسوسات تک محدود نہیں رکھتے بلکہ غیر محسوسات میں بھی حسن و جمال کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ خلق حسن ہے، یہ علم عمدہ ہے، یہ خصلت اچھی ہے، یہ اخلاق بہترین ہیں، اور اخلاق جمیلہ سے مراد علم، عقل، عفت، شجاعت، تقویٰ، کرم، مروت اور دوسری بہترین عادات ہیں۔ اور ان میں سے کسی صفت کا ادراک حواس خمسہ سے نہیں ہوتا بلکہ باطنی نورِ بصیرت سے ہوتا ہے۔[5] امام غزالیؒ نے محبت الٰہی کی معرفت کے ذیل میں حواس کی لذات بیان کی ہیں، لکھتے ہیں:

> چیزوں کی معرفت ہم کو حواس اور عقل کے توسط سے حاصل ہوتی ہے۔ حواس پانچ ہیں۔ ہر ایک کی لذت مقرر ہے کہ اس لذت کے سبب سے انسان اس شے کو پسند کرتا ہے۔ یعنی طبیعت اس طرف راغب ہوتی ہے۔۔۔ یہ تمام حواس جانوروں کو بھی حاصل ہیں اور وہ بھی لذت حاصل کرتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کے دل میں ایک چھٹی حِس ہے جسے عقل کہتے ہیں اسے بصیرت اور نور بھی کہتے ہیں۔ اس کے لیے جو لفظ چاہو استعمال کرو انسان اور حیوان میں فرق

1۔ حسن الصدیق، فلسفة الجمال و مسائل الفن عند التوحیدی، ص/99

2۔ غزالی، ابو حامد، محمد، امام، کیمیائے سعادت، اردو ترجمہ: محمد سعید نقش بندی، پروگریسو بکس، اردو بازار لاہور، 1999ء، ص/837

3۔ غزالی، ابو حامد، محمد، امام، احیاء العلوم، مترجم: مولانا ندیم الواجدی، دار الاشاعت کراچی، ص 448/4

4۔ ایضاً، ص 448/4

5۔ ایضاً، ص 448/4

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

اسی کا ہے (حیوان اس سے محروم ہے) اس عقل کے بھی مدرکات ہوتے ہیں جو اس کو پسند آئیں بالکل اسی طرح جیسے حواس خمسہ کو دوسری لذتیں محبوب ہیں۔[1]

امام غزالیؒ نے بات بالکل واضح کر دی کہ دنیا میں ظاہری اور باطنی یا معروضی اور موضوعی دونوں قسم کا جمال موجود ہے لیکن خالقِ جمال کی معرفت کو نظر انداز کر کے جو بھی اس جمال کو حاصل کرے گا وہ اس کے لیے کوئی زیادہ مسرت بخش ثابت نہیں ہو گا اور جو اس کی معرفت کے ساتھ اس حسن و جمال سے فائدہ اٹھائے گا اسے دنیا میں بھی وافر حصہ ملے گا اور جب اس کی روح آخرت میں اس خالقِ جمال سے ملے گی تو اس کی لذت کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔

علامہ ابن قیمؒ (1350ء) علامہ ابنِ قیمؒ ایک صاحبِ انشاء مفکر، متکلم اور متبحر عالم تھے۔ آپ کے قلم کے نوادرات اور اسلوبِ تحریر پڑھنے کے لائق ہے۔ ہر موضوع پر قلم اٹھانے والے امامؒ نے جمالیات پر بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ آپ کے نزدیک جمالیات رب سبحانہ و تعالی کی معرفت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

> معرفت الٰہی کی سب سے بہترین قسم، جمال کے ذریعے اللہ کی معرفت ہے، اور یہ خواص کی معرفت ہے۔ ہر کوئی اسے کسی نہ کسی صفت سے پہچانتا ہے اور سب سے بہترین معرفت یہ ہے کہ اس کے کمال، جلال اور جمال کے ذریعے اس کی معرفت حاصل کی جائے۔۔۔ اس کے جمال کے لیے یہ کافی ہے کہ دنیا اور آخرت کا جمالِ ظاہری اور باطنی اسی کی صنعت اور پیداوار ہے۔۔۔ جمال الٰہی کے چار مراتب ہیں: جمال الذات، جمال الصفات، جمال الافعال اور جمال الاسماء۔ پس اس کے سارے اسماء اسمائے حسنیٰ، اچھے نام ہیں، اور اس کی ساری صفات، صفاتِ کمال ہیں۔ اور اس کے سارے افعال حکمت، مصلحت، عدل اور رحمت پر مبنی ہیں۔ جہاں تک جمالِ ذات اور اس سے متعلقہ امور کا تعلق ہے تو اس کا ادراک سوائے اس کے کسی کو نہیں اور اس کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔[2]

ان کے نزدیک جمال تین اقسام پر مشتمل ہے۔ ایک تو وہ ہے جس کی تعریف کی گئی ہے، دوسرا وہ ہے جس کی مذمت کی گئی ہے اور تیسرا وہ ہے جس کے ساتھ مدح و ذم کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ پس محمود وہ ہے جو اللہ کے لیے ہو اور اللہ کی اطاعت، اوامر کی تنفیذ اور اللہ کی بات ماننے میں ممد و معاون ہو۔ اور جو مذموم ہے تو وہ، وہ ہے جو دنیا، فخر و غرور، تکبر اور شہوات تک پہنچنے کے لیے ہو۔ رہا وہ جمال جس کی نہ مذمت کی جائے گی اور نہ تعریف تو وہ وہ ہے جو ان دونوں اوصاف اور مقاصد سے خالی ہو۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ کی پہچان اس جمال سے کی جائے گی جس کے مقابلے میں کوئی شے نہیں۔ اور اللہ کی عبادت اس جمال سے کی جائے گی جو کہ اسے اقوال، اعمال اور اخلاق میں سے پسند ہے۔[3] یوں انسان بھی حسن و جمال کا اعلیٰ نمونہ بن سکتا ہے۔

1۔ غزالی، ابو حامد، محمد، امام، احیاء العلوم، ج4، ص834

2۔ سورۃ الشوریٰ: 11

3۔ الجوزیہ، ابو عبداللہ، محمد بن ابی بکر بن ایوب ابن قیم، الامام، الفوائد، دار علم الفوائد للنشر والتوزیع، ص/271، 264

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

علامہ جاحظ (وفات: 868ء): جاحظ کا خیال ہے کہ جمال اشیاء میں قائم بالذات ہوتا ہے اور اس کی اضافت نہیں کی جاسکتی۔ اور اس کی تقویم میں حِس اور عقل دونوں یکساں طور پر داخل ہیں۔ وہ جمال میں روحانی پہلو کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ مادی اور
بدنی کے پہلو تک محدود رکھتے ہیں۔

جمال کے بارے میں جاحظ کا نقطہ نظر ارسطو کی طرح ہے کیونکہ ارسطو کی فکر کے مطابق بھی اعتدال، توسط اور تناسب جمال کا بنیادی قوام ہے۔ جاحظ نے بلاغت، خطابت اور شعر میں اسی منہج کو اپنایا ہے۔[1]

علامہ ابن خلدون (وفات: 1406ء): علامہ ابن خلدون کا نظریہ جمال، وحدتِ جمال، کا آئینہ دار ہے یعنی وہ جمال کو معروض اور موضوع دونوں میں دیکھتے ہیں، درج ذیل سطور میں آپ کی فکر کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

لذت کسی مناسب اور شوق کی چیز کو پالینے کا نام ہے اور جو چیز محسوس ہوتی ہے وہ انسانوں کی طبیعت پر اپنا کچھ نہ کچھ اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محسوس چیز جسے ہم مدرک بھی کہتے ہیں اگر شوق و چاہت کے مناسب ہو تو لذت پیدا کرے گی ورنہ نہیں۔ کھانوں میں وہی کھانا شوق کے مناسب ہوتا ہے جس کی مخصوص کیفیت ذوق کے مناسب ہو یعنی جو کھانا ذوق کے مناسب ہو وہی مرغوب و لذیذ ہوتا ہے۔ اسی طرح جو چیزیں چھوئی یا سونگھی جاتی ہیں ان میں قوت لامسہ یا شامہ کے موافق وہ ہوتی ہیں جو قلبی بخاری روح کے مناسب ہوں کیونکہ ان کی روح ہی مدرک ہے اور یہ قوتیں ان چیزوں کو اسی کے پاس بھیج دیتی ہیں اسی لیے پھول اور عمدہ بو رکھنے والی چیزیں قلبی روح سے زیادہ مناسبت رکھتی ہیں اور روح کو پسند آتی ہیں کیونکہ مزاج روح کی طرح ان میں بھی حرارت کا غلبہ ہوتا ہے۔ دیکھی جانے والی اور سنی جانے والی چیزوں میں آنکھوں اور کانوں کو وہی چیز پسند ہو گی جس کی کیفیت و شکل میں کوئی خاص تناسب ہو گا۔ دیکھی جانے والی چیز اگر اپنی شکل و صورت میں اور وضع قطع میں جو اس مادے کے اعتبار سے قدرت نے اسے بخشی ہے اپنے مخصوص مادے کے تقاضے (کمال مناسبت) سے باہر نہیں تو وہی حسین و جمیل اور خوبصورت کہلاتی ہے۔ چونکہ خوبصورت چیز نفس مدرکہ کے مناسب ہوتی ہے اس لیے نفس اپنے مزاج کے مناسب ادراک سے لذت اٹھاتا ہے۔۔۔۔ چونکہ انسان کے نزدیک انتہائی مناسب اور اس کے بہت قریب وہی چیز ہے جس کے موضوع کے تناسب میں وہ کمال دیکھتا ہے۔ ایسی چیز انسانی شکل و صورت ہے جس کی وضع قطع اور آواز میں انسانی حسن و جمال پایا جاتا ہے۔ انسانی شکل و صورت اور آوازوں میں جمال کا احساس انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لیے انسان اپنے فطری تقاضے سے مجبور ہو کر کسی دیکھی یا سنی جانے والی چیز میں حسن و جمال پا کر اس کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔[2]

علامہ نورسیؒ (1960ء): علامہ نور کے نزدیک حقیقی سعادت سرورِ خالص، لذیذ نعمت اور صافی لذت صرف

1۔ ریاض عوض، مقدمات في فلسفة الفن، دار الطباعۃ، جروس برس، طرابلس، لبنان، طبع اول 1994ء، ص/202

2۔ عبدالرحمٰن ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈیمی، اردو بازار کراچی، طبع یازدھم 2001ء، ص 2/260-261

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

اللہ کی معرفت اور اس کی محبت میں ہے۔اس کے علاوہ یہ جذبہ کمال کے ساتھ کہیں نہیں ہو سکتا۔اس لیے جس نے اللہ کو پہچان لیا اور اس کے ساتھ محبت کی وہ بے شمار نعمتوں، سعادتوں اور انوار و اسرار کا بالفعل یا بالقوۃ مظہر بن جاتا ہے اور جو اس کی حقیقی پہچان نہیں کرتا اور اس کے ساتھ حقیقی محبت نہیں رکھتا، وہ مادی اور معنوی طور پر لا متناہی بد بختی، بد نصیبی، آلام و مصائب و اوہام میں مبتلا رہے گا۔۔۔پس اگر انسان اس پریشان اور فانی دنیا میں اس آوارہ نوعِ بشری کے درمیان رہ کر اپنے مالک کو نہ پا سکے تو وہ کتنا بڑا مسکین، مصیبت زدہ اور حیران و پریشان رہتا ہے، یہ ہر کوئی جانتا ہے۔لیکن اگر وہ اپنے پروردگار کو پالے گا اور اپنے مالک کو پہچان لے گا تو اس کی رحمت کی پناہ میں آئے گا اور اس کی قدرت کا سہارا لے گا تب اس کی یہ وحشت خیز دنیا ایک مانوس اور سرسبز و شاداب نزہت کدے میں اور منفعت خیز تجارت کے بازار میں تبدیل ہو جائے گی۔[1]

خلاصہ بحث

فلسفہ عقل سے بحث کرتا ہے، تصوف قلب اور دل سے، جبکہ کلام جوارح اور نقل یا وحی سے۔جمالیات میں بھی فلسفہ جمال کی عقلی توجیہ کرتا ہے۔تصوف قلبی اور باطنی جمال اور مسرت کا قائل نظر آتا ہے جبکہ کلام جوارح سے صادر شدہ اعمال کے حسن و قبح سے بحث کرتا ہے۔

جب ہم قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں تو قرآن مجید نے انسان کی تین بنیادی اجزاء یعنی عقل، قلب اور جوارح کی تحسین پر زور دیا ہے اور ان کی عیب بیان کرنے سے روکا ہے۔تینوں کے درست استعمال کو سراہا ہے اور غلط استعمال پر نکیر کی ہے۔قرآن کے معروف اور منکر کا یہی تصور ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوبصورت بنا کر عقل سے نوازا، اس کے دل میں نیکی اور بدی کا الہام کیا اور اس کے لیے دنیا کو سجا کر ایسے اعضاء و جوارح عطا کیے جنہیں استعمال میں لا کر وہ اس کے حسن کو دوبالا بھی کر سکتا ہے اور برے انجام سے دوچار بھی کر سکتا ہے۔

قرآن مجید نے انسان کو عقل دے کر اس کو استعمال نہ کرنے والوں کو جانوروں سے تشبیہ دی ہے۔ارشاد ہے: ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾[2] ترجمہ: "یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے"۔اور ارشاد ہے: ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَاللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾[3] ترجمہ: "بے شک اللہ کے نزدیک چوپایوں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں، جو عقل نہیں رکھتے"۔

ان آیات میں انسان کے اسی رویے کی طرف اشارہ ہے کہ اگر جانور درست اور غلط میں تمیز نہیں کر پاتے تو یہ سمجھنے والی بات ہے کیونکہ ان میں عقل ہے نہیں، اور وہ صرف اپنی جبلت کے مطابق اپنے فائدے اور نقصان کا

1۔نورسی، بدیع الزمان، مکتوبات، نور محل لاہور، 2017ء، ص/238-239

2۔سورۃ الفرقان:44

3۔سورۃ الانفال:22

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

خیال کرتے ہیں لیکن انسان میں تو ان سے اضافی اور مابہ الامتیاز چیز موجود ہے جسے عقل کہا جاتا ہے پھر کیوں وہ اسے استعمال کر کے جانوروں سے ممیز نہیں ہوتا اور ان جیسے بے عقلوں کے سے کام انجام دیتا چلا جاتا ہے۔

عقل کے بعد جو بنیادی نعمت انسان کو دی گئی، وہ قلب یا دل ہے۔ اسے پیدا کر کے اس میں متاثر کرنے اور متاثر ہونے کا داعیہ رکھا گیا۔ اس کو ایسی باطنی آنکھیں یا بصیرت عطا کی گئی جس کے بل بوتے پر انسان کسی چیز کی تحسین و تقبیح کے قابل بنتا ہے۔ قرآن مجید نے دل کی بیماریوں کا بار بار تذکرہ کیا تاکہ اس کی صحت و عافیت کی طرف دھیان رہے اور یہ ایسا زنگ آلود نہ ہو جائے کہ حق و باطل یا اچھے اور برے کے درمیان تمیز کرنے کے قابل ہی نہ رہے، یہی بات ہے جو اس آیت میں کہی گئی ہے۔

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾[1]

اس آیت میں اصل اندھا اس کو قرار دیا گیا ہے جس کا دل اندھا ہو چکا ہو اور کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہ رہا ہو۔ دل خوبصورت ہو تو اس میں خوبصورتی نظر آجاتی ہے۔ ظاہر کے حسن کو دیکھنے کے لیے، درست بینائی رکھنے والی آنکھوں کے ساتھ ساتھ، دلِ بینا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

عقل اور دل کے بعد انسان کو ایسے جوارح ملے جنہیں کام میں لا کر وہ دنیا کی بھلائیاں بھی سمیٹ سکتا ہے اور آخرت کی خوشیاں بھی۔ پھر ان اعضاء کے درست استعمال کے لیے وحی کا سلسلہ جاری فرمایا گیا اور ایسے احکام نازل کیے گئے جو خود بھی حسین و جمیل ہیں اور انسانی عقل و قلب بھی انہیں حسین و جمیل سمجھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے۔ اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن اس تمام حسن و جمال کا جامع ہے جسے عقل، قلب اور جوارح حسین قرار دیتے ہیں تو غلط نہ ہو گا۔

قرآن مجید کا تصور جمال

قرآن نہ تو ظاہر پر اتنا زور دیتا ہے کہ باطن کی اہمیت ہی ختم ہو جائے، نہ ہی باطن کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ ظاہر کی طرف نظرِ التفات ہی نہ کی جائے۔ قرآن موضوع اور معروض دونوں کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور دونوں کو لازم و ملزوم سمجھتا ہے۔ حسنِ عقیدہ کے ساتھ حسنِ عمل کو ضروری قرار دیتا ہے اور حسنِ عمل کے تصور کو حسنِ عقیدہ کے بغیر محال تصور کرتا ہے۔ اسی سے حسن و جمال کے معروضی و موضوعی ہونے کا عقدہ بھی کھل جاتا ہے اور کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔ قرآن مجید سے جمالیت کے عقدوں کو حل کرنے کے لئے درج ذیل بعض ہدایات پیش کی جاتی ہیں:

1۔ درست مشاہدہ

جمالیات کے وہ عقدے جنہیں دورِ قدیم اور جدید کے فلاسفہ اور متکلمین حل نہیں کر پائے قرآن کی ایک

1۔ سورۃ الحج:46

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ہی آیت : ﴿ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾[1] سے کھل جاتے ہیں۔ معروض کا جمال ہے ﴿ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا ﴾ اور موضوع کا جمال ہے: ﴿ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾۔ سرور دل کو ملے گا جمال کے دیکھنے سے، لیکن جمال کو دیکھنے کے لیے نظر شرط ہے، رنگ خوبصورت ہو لیکن دیکھنے والی آنکھ نہ ہو تو کیا حاصل۔ رنگ خوبصورت ہو لیکن دل ہی نہ ہو، نہ ہونے کے برابر ہو، احساس سے عاری ہو، بے ذوق یا بد ذوق ہو۔ کسی ایسے خیال میں کھویا ہو، یا کوئی ایسی چیز کھوئی ہو کہ اس لمحے اسے جمال کا کوئی خیال ہی نہ ہو تو اس خوبصورتی کا کیا فائدہ۔

2۔ جمالیاتی لمحات سے استفادہ

اس لیے جمال کو دیکھنے کے لیے لمحات بھی جمالی ہونے چاہیے۔ فوتگی پر محفلِ رقص و سرود منعقد نہیں کیے جاتے، اور شادی کے موقع پر مرثیے نہیں پڑھے جاتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جمال اپنا کمال اس وقت دکھاتا ہے جب خیال بھی جمالی ہو رہا ہو اور احساسِ جمال سے ساری فضا معطر ہو رہی ہو۔

جہاں تک افعال کے حسن و قبح کا تعلق ہے تو جو کام اور چیزیں اچھی تھیں وہ شریعت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اچھی تھیں، اور عقلِ انسانی ان کے حسن کو تسلیم کرتی تھی، شریعت نے آکر اس پر مہرِ تصدیق ثبت کر لی، جو چیزیں شریعت کے نزول سے پہلے بری تھیں اور عقلِ انسانی ان کو برا سمجھتی تھی، شریعت نے اتر کر ان پر مہرِ تصدیق ثبت کر لی۔ اب اس بحث میں پڑنا محض ایک ذہنی ورزش ہے کہ اعمال یا افعال کا حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی یا پھر عقلی اور شرعی دونوں۔ نماز کو کوئی برا ثابت کر نہیں سکتا اور چوری کو کوئی اچھا ثابت نہیں کر سکتا۔ شریعت کی حلت و حرمت کو ذہنی ورزش کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ ہاں اس کے مصالح اور حکمتوں کے بیان کرنے میں، اگر وہ شریعت کے دائرے کے اندر ہوں، کوئی قباحت نہیں ہے۔

تصوف اگر قلب کی صفائی پر زور دیتا ہے تو قرآن بھی اس کے تزکیہ کا حکم دیتا ہے اور ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾[2]، اور ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴾[3] کہہ کر اس کو کامیابی کی شرطِ اولین قرار دیتا ہے۔ تصوف اگر اپنے نفس اور قلب میں ڈوب کر اپنی پہچان کی بات کرتا ہے تو قرآن مجید بھی ﴿ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾[4] کہہ کر اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی کا درس دیتا ہے۔ تصوف اگر دنیا کے حسن کو اللہ کا نور قرار دیتا ہے تو قرآن بھی ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾[5] کہہ کر اس کی تائید کرتا ہے اور ﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ ﴾[6] کہہ کر انسان کو ربّ

1۔ سورۃ البقرۃ: 69

2۔ سورۃ الاعلیٰ: 14۔ ترجمہ: "کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے تزکیہ کیا"۔

3۔ سورۃ الشمس: 9۔ ترجمہ: "کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا"۔

4۔ سورۃ الذّٰریات: 21۔ ترجمہ: "اور تمہارے نفس کے اندر بھی نشانیاں ہیں۔ پھر کیا تم دیکھتے نہیں ہو"۔

5۔ سورۃ النور: 35۔ ترجمہ: "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔

6۔ سورۃ حٰمٓ السجدۃ: 53۔ ترجمہ: "عنقریب ہم انہیں آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے"۔

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

العالمین کی کائنات کی سیر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یوں تصوف کا اسلامی تصور دراصل وہی احسان ہے جسے اسلام ہر چیز میں لازمی تصور کرتا ہے، عقیدہ سے لے کر عمل تک اور نیت وارادہ سے لے کر فعل کے انجام دینے تک۔

3۔ جمال کی معروضیت اور موضوعیت

قرآن مجید کا تصورِ جمال موضوعی بھی ہے اور معروضی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ حواس دے کر انسان کو پیدا کیا ہے اور ان حواس کے درست استعمال پر زور دیا ہے۔ اس انسان کے لیے جو کائنات وجود میں لائی گئی وہ بھی بہت خوبصورت ہے، اسے دیکھنے کے لیے آنکھیں دی گئیں۔ مختلف حواس کے لیے مختلف لذات پیدا کیے گئے۔ موضوع کی لذت کچھ اور ہے اور معروض کی کچھ اور۔ اسی طرح موضوع کا جمال اور ہے اور معروض کا اور۔ لیکن ان دونوں قسم کے جمال کے لیے جو شرط ہے وہ موضوع اور معروض میں مطابقت ہے، درست مشاہدہ ہے، لمحات اور اوقات ہیں، ماحول اور عمر ہے۔ تعلیم اور توارث ہے۔ ذوق کا احساس اور اقدار و روایات کا پاس ہے۔ یہ ساری چیزیں نہ ہوں تو جمال ایک واہمہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے تو جمال کی تعریف اتنی مبہم بن کر رہ گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق اس کی تعریف کی ہے۔ ورنہ جمال کا احساس، تو ایسا احساس ہے جس کی تعریف ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کا اظہار الفاظ میں شائد ممکن نہیں۔ یہ دل کو ملنے والا وہ سرور ہے جس کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا، کوئی بیان کرے گا تو الفاظ کا جامہ پہنائے گا۔ اس کے الفاظ کو پڑھ کر کوئی تحسین کرے گا اور کوئی تنقیص۔ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ صاحب احساسِ جمال کے جذبات اس وقت کیا تھے۔ وہ الفاظ کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ جائے گا۔ وہ تنقیدی محاکمہ کرنے بیٹھ جائے گا۔ اور بسا اوقات کسی ادیب یا شاعر کی جمالیات بیان کرنے کی بجائے وہ کچھ بیان کرے گا جو اس ادیب اور شاعر یا صانع و فنکار کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

لیکن قرآن مجید کا تصور جمال ان سب سے منفرد ہے۔ وہ اس جمال کی بات کرتا ہے جس کو انسانی فطرت جمال سمجھتی ہے۔ وہ انسان کی باطنی جمال کو بھی اس کے سامنے لاتا ہے اور ظاہری کو بھی۔ جسمانی جمال کو بھی اور روحانی جمال کو بھی، ذہنی جمال کو بھی اور اخلاقی جمال کو بھی، حسن نیت و عقیدہ کو بھی، اور حسن عمل و کردار کو بھی، جسم و لباس کی نظافت و پاکیزگی کو بھی اور دل اور ذہن کی پاکیزگی کو بھی۔

اسی طرح جب قرآن آفاق کے جمال کی بات کرتا ہے تو اس میں بھی انسان کے سامنے پوری کائنات کے حسن و جمال کو نظارہ اور عبرت کے لیے رکھ دیتا ہے۔ وہ اللہ کی مخلوقات اور مصنوعات دونوں کو اس کے سامنے رکھ کر اس کے جمال پر غور کرنے کی بار بار تاکید کرتا ہے۔ یہ حسن افق کے اُس پار بھی ہے اور اِس پار بھی۔ آسمان اور چاند، سورج، تاروں کا حسن و جمال ہو یا زمین، پہاڑ، سمندر، صحرا، درختوں، پھولوں، پھلوں اور سبزے کا حسن، وہ کسی کو نہیں چھوڑتا۔ حتیٰ کہ زمین پر موجود جانوروں تک کا حسن اس کے لیے کھول کر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہے کوئی دیدہ بینا رکھنے والا جو ان پر غور کر کے ان کے حسن و جمال کو دل و دماغ میں جگہ دے کر ان پر سوچے اور اس سے لطف اور حظ بھی اٹھائے اور عبرت و نصیحت کا سامان بھی کرے۔ اور آخر میں اس پر یہ مہرِ تصدیق ثبت کر دیتا ہے کہ:

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾[1]

"کیا یہ لوگ زمین میں چلے نہیں تاکہ ان کے ایسے دل ہوتے جو کچھ سوچتے اور ایسے کان ہوتے جو سنتے۔ اس لیے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں"۔

پھر اُس پار کے جمال کو بھی اتنے بہترین پیرایے میں بیان کرتا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ جنت اور اس کی نعمتیں، حور و غلمان اور ان کا حسن، جنت کے درخت اور اس کی نہریں، جنت کے باغات اور میوے، جنتیوں کی ہنسی خوشیاں اور آپس کی گفتگو، اور پھر شارع علیہ السلام کی زبان مبارک سے ان کی تفصیلات، یہ سب وہ حسن ہے، وہ جمال ہے جو انسان کو دکھ کے لمحات میں وہ سکھ پہنچاتا ہے جن کے لیے الفاظ کم پڑ جاتے ہیں۔

یہی وہ موضوعی اور معروضی تصور جمال ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ دیکھیں گے نہیں، سنیں گے نہیں، تو اثر کیسے ہوگا؟۔ کسی جذبے، تصور، عقیدے اور احساس کے بغیر دیکھیں بھی تو کیا فائدہ؟ سنیں بھی تو کیا حاصل؟

نتائجِ تحقیق

- اللہ تعالی جمالِ مطلق ہے۔ جمال اس کی ذات اور جوہر کا حصہ ہے جب کہ ہمارا جمال، ہماری زینت اور خوبصورتی ذاتی نہیں بلکہ عارضی اور خارجی ہے۔
- جمال الٰہی ہر قسم کے جمال کا مصدر اور یہ وہ جمالِ مطلق ہے جس میں کائنات اور تمام اشیاء کا جمال منعکس ہے۔
- جمال الٰہی کے چار مراتب ہیں: جمال الذات، جمال الصفات، جمال الافعال اور جمال الاسماء۔
- حقیقی سعادت سرورِ خالص، لذیذ نعمت اور صافی لذت صرف اللہ کی معرفت اور اس کی محبت میں ہے، اس کے علاوہ کہیں نہیں ہوسکتی۔
- اصل جمال دنیاوی و اخروی کمال حاصل کرنا ہے اور یہ کام دنیا کو چھوڑ کر نہیں، بلکہ دنیا میں رہ کر اور دنیا کو برت کر روحانی مسرت کے حصول پر مبنی ہے۔
- حسن و جمال دو قسم کے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، باطنی صورت کا جمال ظاہری صورت کے جمال سے ایسے شخص کے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا جو کچھ بھی عقل رکھتا ہو۔
- حسن و جمال صرف محسوسات ہی میں منحصر نہیں بلکہ غیر محسوسات میں بھی حسن و جمال ہوتا ہے۔
- قرآن نہ تو ظاہر پر اتنا زور دیتا ہے کہ باطن کی اہمیت ہی ختم ہوجائے، نہ ہی باطن کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ ظاہر کی طرف نظرِ التفات ہی نہ کی جائے۔ قرآن مجید کا تصورِ جمال موضوعی بھی ہے اور معروضی بھی۔ ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی۔

1۔ سورۃ الحج:46

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)